OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

Al-Qamar, Volume 4, Issue 4 (October-December 2021)

سلسلہ چشتیہ سے متعلق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تحقیقات کا مطالعہ

A Study of Dr. Nisar Ahmed Farooqui's Investigation Related to Chishti Order of Sufism

Samra Rasool

Doctoral Candidate Urdu, Allama Iqbal Open University, Islamabad

Abstract

Dr. Nisar Ahmad Farooqi was a multipartite personality. He was well known researcher of Urdu. In Urdu language and literature, he recognized his status as a critic, translator, writer poet and observer. He had a special affinity with Sufism especially the Chishti order. He wrote explanatory articles on related literature (Malfozāt) of Chishti order to make a positive change in the society by popularizing the teachings of the Chishti Sufis. This article reviews their research work about Sufism. He presented the cover of various discussions of Sufism. According to him, the Chishti teachings are the solution to the anxiety and chaos of the present age. He wrote biographical articles on Chishti Sufis, avoiding exaggeration and also identified new sources of research regarding this. His research regarding the tomb of Muhammad Yaqoob son of Baba Farid Ganjshakr is valuable. To understand the spirit, method and scope of Islamic Sufism, a study of his research can be beneficial.

Keywords: Sufism, Chishti order, investigations, Nisar Ahmad Farooqi

تمہید

سلسلہ چشتیہ ہندوستان میں تصوف کا قدیم ترین سلسلہ ہے جسے بہت قبولیت حاصل ہوئی۔ چشتی بزرگوں نے ہندوستان کے لوگوں کی مذہبی اور اخلاقی تربیت و تطہیر کی ذمہ داری نبھائی۔ خواجہ معین الدین غریب نواز رحمۃ اللہ ف ۶۳۳ھ، ہندوستان میں اس سلسلے کے سرخیل تھے۔ ہندوستان میں اس سلسلہ کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ چشتی سلسلے میں باقاعدہ تصنیف و تالیف کا رجحان نہیں تھا البتہ کچھ چشتی بزرگوں کے ملفوظات ان کے مریدین نے جمع کر لیے تھے جو سلسلے کے مریدوں اور عقیدت مندوں کے لیے نصاب کا کام کرتے تھے۔ بعد میں کچھ مبالغہ آمیز کشف و کرامات پر مبنی کتب کو بھی چشتی اکابرین سے منسوب

CC BY

کر دیا گیا۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں جہاں زبان و ادب کے حوالے سے تحقیقات کا رجحان بڑھا وہاں تصوف کے تحقیق طلب امور نے بھی محققین کو متوجہ کیا۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کو تصوف سے لگاؤ تھا، سلسلہ چشتیہ سے خصوصی نسبت بھی تھی اور تحقیق کا ذوق بھی۔ انھوں نے سلسلہ چشتیہ کے متفرق موضوعات کو تحقیق کے لیے منتخب کیا۔ یہ مقالہ نثار احمد فاروقی کی سلسلہ چشتیہ کے حوالے سے تحقیقات کے جائزے پر مشتمل ہے۔

سلسلہ چشتیہ کا تعارف

ہندوستان میں تصوف کے کئی خانوادے سرگرمِ عمل رہے مگر سب سے زیادہ اثر و نفوذ چشتی سلسلے کو حاصل رہا ہے۔ چھٹی صدی ہجری میں حضرت سلطان الہند خواجہ معین الدین غریب نواز رحمۃ اللہ کے قدم مبارک کے ساتھ یہ فیضان اس سرزمین میں آیا۔ تاریخی اعتبار سے سلسلہ چشتیہ کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ زماناً قدیم ترین سلسلہ تصوف ہے۔ اس کے بانی حضرت اقدس ابو اسحاق شامی چشتی ۳۲۹ھ ہیں جن کی پیدائش چشت میں ہوئی۔ چشت خراسان کے ایک مشہور شہر کا نام ہے۔ وہاں کچھ بزرگانِ دین نے روحانی اصلاح و تربیت کا ایک بڑا مرکز قائم کیا، اس کو بڑی شہرت حاصل ہوئی اور وہ نظام اس مقام کی نسبت سے چشتیہ سلسلہ کہلانے لگا۔ ہندوستان میں چشتیہ سلسلے کو جاری کرنے کا شرف خواجہ معین الدین چشتیؒ کو حاصل ہوا۔ اگرچہ خواجہ معین الدین چشتیؒ سے قبل کچھ چشتی بزرگ ہندوستان میں تشریف لا چکے تھے۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ پرتھوی راج کے عہد میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر کو اپنا مستقر بنا کر تبلیغ و اشاعت کا کام شروع کر دیا۔ ان دنوں اجمیر راجپوت سامراج کا مضبوط مرکز اور ہندوؤں کا مذہبی گڑھ تھا۔ دور دور سے ہندو اپنی مذہبی رسومات پوری کرنے کے لیے وہاں جمع ہوتے تھے، ایسے زبردست سیاسی اور مذہبی مرکز میں قیام کا فیصلہ نہ صرف خواجہ صاحبؒ کے عزائم کا ترجمان تھا بلکہ ان کی غیر معمولی خود اعتمادی کا بھی آئینہ دار تھا۔ خواجہ معین الدین چشتیؒ کا ہندوستان تشریف لانا ایک زبردست روحانی اور سماجی انقلاب کا رونما ہونا تھا۔ گیارھویں اور بارھویں صدی عیسوی میں ہندوستان کی سماجی حالت حد درجہ تباہ تھی۔ اتحادِ فکر و عمل کا کہیں دُور دُور نام نہ تھا۔ ذات پات اور چھوت چھات نے تمدنی زندگی کا سارا حسن ماند کر دیا تھا۔ زندگی کی ساری لذتیں اونچی ذات کے لوگوں کے لیے مخصوص تھیں اور غریب عوام کے لیے زندگی بوجھ بن گئی تھی۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے چھوت چھات کے اس بھیانک ماحول میں اسلام کا نظریہ توحید عملی حیثیت سے پیش کیا اور بتایا کہ یہ صرف ایک تخیلی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک ایسا اُصول ہے جس کو تسلیم کر لینے کے بعد ذات پات کی سب تفریق بے معنی ہو جاتی ہے۔ یہ ایک زبردست دینی اور سماجی انقلاب کا اعلان تھا۔ ہندوستان کے بسنے والے ہزاروں مظلوم انسان اس کو سن کر دوبارہ زندگی کا کیف محسوس کرنے لگے۔ خواجہ اجمیریؒ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ ہندوستان کے سب سے بڑے سماجی انقلاب کا یہ بانی سادگی اور عاجزی کا پیکر تھا جن کی نظر کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جس کی طرف دیکھ لیتے معصیّت کے سوتے اس کی زندگی میں خشک ہو جاتے۔ ان کے اثرات کا دائرہ بہت وسیع تھا۔ ان کے عزیز مرید اور خلیفہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ تھے۔ دوسرے قابلِ ذکر خلیفہ، شیخ حمید الدین سوالی ناگوریؒ تھے جنھوں نے ناگور میں قیام کیا۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی میں چشتیہ سلسلے کا مرکز قائم کیا۔ انھوں نے سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں دہلی آ کر ارشاد و تلقین کا آغاز کیا۔ اس زمانہ میں دہلی کی تعمیر و تشکیل پورے جوش و خروش کے ساتھ کی جا رہی تھی۔ بہت سے علما، مشائخ، شعرا اور ادبا دہلی کی طرف رجوع ہو رہے تھے۔ اس طرح دہلی کی حیثیت ایک بین الاقوامی شہر کی سی ہو گئی تھی۔ قطب صاحبؒ کا دہلی میں قیام کر لینا چشتیہ سلسلے کے حق میں بہت مفید ثابت ہوا۔ دہلی اسلامی ہند کا قلب و جگر بن چکی تھی۔ وہ تمام عناصر جو آئندہ صدی میں مسلمانوں کی عمومی ثقافتی زندگی پر اثر انداز ہونے والے تھے، یہاں موجود تھے۔ قطب صاحبؒ نے دارالسلطنت کے مہلک اثرات سے دامن بچا لیا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہاں کے حالات سے پورا

فائدہ اٹھایا اور تصوف کے خیالات ہر طبقہ کے کانوں تک پہنچا دیے۔ تذکروں میں قطب صاحب کے کئی مرید اور خلفا کا ذکر ملتا ہے لیکن ان میں سے سلسلے کی نشر واشاعت کا کام صرف بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ اور شیخ بدر الدین غزنویؒ ہی نے انجام دیا۔ بابا فریدؒ کا دہلی قیام نہ کرنا چشتیہ سلسلے کے حق میں اتنا ہی مفید ہوا جتنا قطب صاحبؒ کا دہلی میں قیام کرنا۔ ہانسی اور بعد کو اجودھن میں رہ کر ان کو سلسلے کا کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ ان کے اثرات پنجاب تک ہی محدود نہیں رہے۔ بلکہ شمالی ہندوستان کے گوشے گوشے میں پہنچے اور دور دور سے عقیدت مند ان کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ دہلی میں ان کے تقدس کو اتنی شہرت حاصل ہوئی کہ شیخ نظام الدینؒ ان کے نادیدہ عاشق ہو گئے۔ بابا صاحبؒ کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ ہر وقت عقیدت مند پروانوں کی طرح ان کے گرد جمع رہتے تھے۔ بابا فریدؒ نے اپنی روحانی عظمت، کردار کی بلندی اور دردمندی سے چشتیہ سلسلہ کی شہرت کو چار چاند لگا دیئے۔ ان کے زمانے میں سلسلہ کے اثرات کا دائرہ وسیع ہو گیا۔ ان کے نظام اصلاح و تربیت نے ایک مستقل شکل اختیار کر لی اور مریدین کا ایک ایسا طبقہ تیار ہو گیا جس نے ملک میں چشتیہ سلسلہ کی بہت سی خانقاہیں قائم کرا دیں۔ حضرت بابا صاحبؒ کے خلفا میں شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ بدر الدین اسحاقؒ، شیخ نظام الدینؒ اولیا، شیخ علی احمد صابر کلیریؒ بالخصوص قابل ذکر ہیں۔ بابا فریدؒ کے خلفا میں حضرت نظام الدین محبوب الٰہیؒ کے علاوہ کوئی بزرگ اپنے سلسلے کے نظام کو قائم رکھنے اور چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے۔[1]

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا تعارف

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (پیدائش ۲۹ جون ۱۹۳۴ء، وفات ۲۷ نومبر ۲۰۰۴ء) کثیر الجہات شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی دلچسپی کے موضوعات میں اردو ادب، ہندوستانی فارسی ادب، عربی ادب، ہندوستانی مسلمانوں کی ثقافت، تصوف، تقابلی مذہب، تاریخ نویسی اور تذکرہ نویسی شامل تھے۔ وہ عربی زبان و ادب کے پروفیسر تھے بلکہ دہلی یونیورسٹی شعبہ عربی کے صدر نشین بھی رہے، فارسی پر عبور رکھتے تھے، انگریزی سے بھی خاطر خواہ اکتساب کر رکھا تھا لیکن ان کی علمی صلاحیتوں کا سب سے زیادہ فائدہ اردو ادب کو ہوا۔ اردو زبان و ادبیات میں محقق، مدوّن، مبصر، نقاد، مترجم، ادیب اور شاعر کے طور پر انھوں نے اپنی حیثیت کو منوایا۔ ان کا شمار برصغیر پاک وہند کے نامور اصحاب علم میں ہوتا تھا اور وہ اردو دنیا کے علمی و ادبی حلقوں میں خاص عزت و احترام کے مالک تھے۔ ان کی تمام عمر علم و ادب کی آبیاری کرتے گزری۔ مطالعہ تاحیات ان کا اوڑھنا بچھونا بنا رہا۔ محنت، دیدہ ریزی اور جان کاہی ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ گوناگوں موضوعات پر ان کے قلم سے نکلے تحقیقی و تنقیدی مضامین ان کی عالمانہ حیثیت پر دال ہیں جو برصغیر پاک وہند کے علمی و ادبی رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ یہ مضامین علمی و تحقیقی نکات سے مزین ہونے کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کی چاشنی لیے ہوئے، ان کے وسعت مطالعہ کے آئینہ دار ہیں۔ مرتبہ و مترجمہ کتب پر ان کے بسیط و پر مغز مقدمات خاصے کی چیز ہیں۔ انھوں نے تصوف کے مختلف ماخذات کی تحقیق کی، ملفوظاتی ادب کے تراجم کیے اور تصوف کے مختلف پہلوؤں پر توضیحی مضامین تحریر کیے۔ قدیم اور کلاسیکی رنگ سے ان کو بہت محبت تھی۔ تصوف بالخصوص سلسلہ چشتیہ سے انھیں خاص دلچسپی تھی، جس کی وجہ تھی ان کا خاندانی پس منظر اور تعلیم و تربیت۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی شمالی ہند کی پرفضا اور مردم خیز بستی امروہہ کے ایک علمی و مذہبی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے ملتا ہوا اکتالیس واسطوں سے خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور ننھیال کا سلسلہ حضرت شاہ عبد الہادی چشتی امروہی کے وسیلے سے حضرت ابو بکر رضی اللہ علیہ پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت شاہ عبد الہادی کا تعلق شمالی ہندوستان کے مشہور صدیقی خاندان سے ہے۔ یوں سلسلہ پدری کی طرح ان کا مادری سلسلہ بھی دینی اور دنیوی دونوں اعتبار سے باوقار اور معتبر رہا۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تعلیم و تربیت دو عالم فاضل شخصیات کی مرہونِ منت ہے جن میں ایک تو ان کے نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتیؒ جو بڑے باعمل بزرگ تھے اور سلسلہ چشتیہ کے مستند خانقاہی نظام سے تعلق رکھتے تھے بلکہ سجادہ نشین درویش تھے۔ فاروقی

صاحب خود اپنی کتاب ''دید ودریافت'' میں ان کے متعلق لکھتے ہیں:''میرے دامن میں انھی کے خوانِ علم سے چنے ہوئے ریزے ہیں وہ اس دنیا میں میرے سب سے بڑے مربّی، محسن، معلّم اور مرشد تھے۔ ان کی بے پناہ شفقت اور محبت کی یاد میرا عمر بھر کا اندوختہ ہے۔''[2]

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اپنے نانا سجادہ نشین حضرت شاہ عبد الہادی چشتیؒ سے سلسلہ چشتیہ میں بیعت تھے۔ اسی باعث اپنے نانا کو پیر و مرشد کہا کرتے تھے۔ نانا محترم کے علاوہ دوسری شخصیت ان کے عمِّ بزرگوار مولانا، مفتی شہر امروہہ نسیم احمد فریدی صاحب ہیں جنھوں نے ان کے ادبی ذوق کو سنوارا اور صالح قدروں کے لیے ان کے دل میں احترام کا جذبہ پیدا کیا۔ ان کی شخصیت سازی اور ذہنی تعمیر انھی شخصیات کی مرہونِ منت قرار دی جاسکتی ہیں۔ اپنے مسلک کے بارے میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ''در مدح خود می سرایم'' میں لکھتے ہیں:"اپنے مذہبی عقائد میں، میں نے ہمیشہ توازن رکھا اور یہ اس کا اثر ہے کہ میرے استاد اور نانا حضرت شاہ سلیمان احمد چشتیؒ خانقاہی بزرگ تھے، میرے چچا حضرت مولانا نسیم احمد فریدیؒ مدرسہ عربیہ کے شیخ الحدیث، شہر کے مفتی اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ یونیورسٹی میں میرے استاد پروفیسر خورشید احمد فاروقی بہت آزاد خیال تھے۔ ان سب کے افکار کا عکس میرے تصورات میں ہوا ہے۔ اس لیے میں مذہبی تعصب سے کوسوں دور ہوں۔ ہر مذہب اور ہر فرقے کے خیالات پڑھتا یا سنتا ہوں جو بات معقول اور مناسب ہو، اس کو قبول کرتا ہوں مگر اپنے عقیدے کی زمین پر میرے پاؤں ہمیشہ جمے رہے۔''[3] لیکن خانقاہوں سے انھیں ایک فطری میلان تھا۔ کچھ اس میلان کے باعث بھی انھیں صوفیا اور خانقاہوں سے لگاؤ رہا۔ صوفیا اور خانقاہوں کے اسی رجحان نے ان سے تصوف پر کئی کتب اور مضامین تحریر کروائے جو برصغیر پاک وہند کے رسائل میں شائع ہو کر اعتبار کی سند حاصل کر چکے ہیں۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تحقیقات

چشتیہ سلسلہ سے متعلق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تحقیقات کا آغاز ''چشتی تعلیمات اور عصرِ حاضر میں ان کی معنویت'' سے ہوا، یہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی مختصر تصنیف ہے جو درحقیقت ایک سیمینار منعقدہ درگاہ شریف اجمیر میں پڑھے گئے مقالے پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اس تحریر کے ذریعے تصوف کی موجودہ دور میں اہمیت و افادیت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے اس کتاب میں اسلام کے ایک روحانی پہلو یعنی تصوف کے بارے میں اوّلین اور مستند ماخذ کی مدد سے اختصار اور جامعیت کے ساتھ کچھ اصولی باتیں بیان کی ہیں۔ اسلامی تصوف کی روح، طریق کار، دائرۂ اثر و نفوذ اور اس کے تعمیری پہلوؤں کو سمجھنے میں یہ مختصر کتاب بہت مدد فراہم کرتی ہے اور تصوّفِ اسلامی کے بارے میں بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی کر دیتی ہے۔ اس کتاب ''چشتی تعلیمات اور عصرِ حاضر میں ان کی معنویت'' کو انھوں نے چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کر کے ترتیب دیا ہے جن میں چشتی تعلیمات کا مقصد، خانقاہی تربیت کا نصاب، خانقاہی تربیت کا ماحصل، عہدِ حاضر میں چشتی تعلیمات کی معنویت اور صوفیا کا تصورِ عشق شامل ہیں۔ ان کے مطابق اس دور کی بے یقینی، انتشار، تضاد اور تشکیک کا علاج تصوف میں ہی ہے اور چشتی صوفیا کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر معاشرے کے اخلاقی سدھار کی ذمہ داری نبھائی جاسکتی ہے، روحانیت کے پیاسوں کی سیرابی ہو سکتی ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے ''حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کا تذکرہ اور خانقاہ مبارک کی ایک جھلک'' مرتب کیا۔ یہ کتاب پہلی بار حضرت خواجہ حسن نظامی میموریل سوسائٹی کی طرف سے چھپی بعد میں کئی ایڈیشن شائع ہوئے۔ پیشِ نظر ایڈیشن گنج بخش روڈ، لاہور سے ۱۹۸۰ء میں شائع ہوا۔ مقالے کا مقدمہ جناب حسن ثانی نظامی نے تحریر فرمایا ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے خواجہ محبوب الٰہیؒ کا حلیہ مبارک اور لباس مستند حوالوں سے اخذ کیا ہے۔ انھوں نے سلسلہ چشتیہ کی مستند کتابوں ''مجالسِ حسنہ''، ''سیر الاولیا''، ''احسن القصص'' اور ''درّرِ نظامی'' کے حوالے سے خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے معمولاتِ زندگی سے بھی آگاہ کیا ہے اور بڑی عقیدت و اشتیاق کے ساتھ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے عبادات و ریاضت کے معمولات پر

بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے سارے دن میں حضرتؒ کی نمازیں، وظائف، ذکر و اشغال اور مراقبوں کا معمول و احوال یہاں تک کہ وضو کے طریقے کی تفصیل بھی فراہم کی ہے۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ کا نقشہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اس خوب صورتی سے بیان کیا ہے کہ قاری پڑھتے ہوئے محو ہو جائے۔ انھوں نے مختلف ماخذات سے خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی خانقاہ کا انصرام و انتظام بھی ترتیب دیا ہے۔ خانقاہ کا محلِ وقوع، نقشہ، آب و ہوا، حالات اور خانقاہ کے تمام نظام انھوں نے اس طرح پیش کیے ہیں کہ پڑھتے ہوئے کہیں بھی الجھاؤ اور عدم دلچسپی کا احساس نہیں ہوتا اور نہ ہی معلومات و تحقیقات کے غیر مستند ہونے کا احساس ہوتا ہے کہ آپ ساتھ ساتھ حوالے دیتے جاتے ہیں تاکہ قاری کا اعتماد برقرار رہے۔ دور دراز کے علاقوں میں رہنے والے حضرت نظام الدین اولیاؒ کے وہ عقیدت مند جو حضرت کی خانقاہ پر حاضری کی سعادت حاصل نہیں کر سکتے ان کے لیے اس نقشے کا مطالعہ بھی بڑی سعادت کی بات ہے۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی اپنے معاشرے میں اہمیت اور مقام و مرتبے پر بھی مختصراً روشنی ڈالی ہے اور اس ضمن میں کئی واقعات پیش کیے ہیں جن سے حضرت کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے حضرت کی خانقاہ کو ایک ایسا روحانی شفاخانہ قرار دیا ہے جس میں تمام مریضوں کے لیے شفا موجود تھی۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے مطابق حضرت نظام الدین اولیاؒ کی تعلیمات اپنے عہد کے تمام اخلاقی اور سماجی برائیوں کی اصلاح کے لیے تھیں۔ اسی لیے آپؒ نے نفع دیکھتے ہوئے بیعت کا دروازہ ہر شخص کے لیے کھول دیا تھا اور جو شخص بھی مرید ہونے کی نیت سے آتا تھا، آپ اسے قبول فرما لیتے تھے کیونکہ مرید ہونے سے اس کی کچھ نہ کچھ اصلاح ہو ہی جاتی تھی۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے جس محبت، عقیدت اور خلوص کے ساتھ اپنے آقا و مولا سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاؒ محبوبِ الٰہی کا حلیہ مبارک، خانقاہ کا نقشہ، ان کے معمولات اور تعلیمات کو بیان کیا ہے، اس کے لیے قابلِ تعریف کا لفظ بہت چھوٹا اور معمولی محسوس ہوتا ہے۔ یقیناً ان کی یہ کاوش لائقِ صد تحسین ہے۔ اس کے حوالے سے حسن ثانی نظامی کی یہ رائے مبنی بر حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ یہ صرف مقالہ نہیں ایک مراقبہ ہے جس کے ذریعہ درِ دولت سے وابستگان اپنے آقا کا نہ صرف دیدار کر سکتے ہیں بلکہ ان کی خانقاہ مبارک میں حاضری بھی دے سکتے ہیں اور ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تحریر نے ثابت کر دیا ہے کہ تحریر بھی موسیقی کی طرح جادو جگا سکتی ہے، دلوں کو گرما سکتی ہے اور کسی کے فیضان کا کرشمہ کہلا سکتی ہے۔[4] ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی یہ تحریر بالخصوص عوام کے لیے ہے صرف خواص کے لیے نہیں اسی باعث انھوں نے عام فہم زبان اور سادہ اسلوب کو ترسیل کا ذریعہ بنایا ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی سلسلہ چشتیہ کے بیعت، سچے عاشق اور عقیدت مند تو ہیں ہی لیکن ساتھ ساتھ ایک محقق، مبصر اور نقاد بھی ہیں اور انھوں نے اپنی اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کی پوری کوشش کی ہے۔ غیر ضروری اور بے دریغ مبالغہ آرائی جو اس میدان کا لازمی خاص تصور کی جاتی ہے، سے حتی الوسع گریز کرتے ہوئے انھوں نے اپنی تحریر کو حقائق سے مزیّن کیا ہے۔ ''نقدِ ملفوظات'' ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا مجموعہ مضامین ہے جو تصوفِ اسلامی اور برصغیر کے صوفیائے کرام کے حالات و ملفوظات پر چند تنقیدی و تحقیقی مضامین پر مشتمل ہے۔ ان کی یہ کتاب ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور کے زیرِ اہتمام ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کا انتساب انھوں نے اپنے شفیق استاد، سرپرست اور مربّی چچا محترم مولانا نسیم احمد فریدی فاروقی کے نام کیا ہے۔ انھیں اس بات پر سخت ملال ہے اور بجا ہے کہ ہماری خانقاہیں اب درگاہوں میں تبدیل ہو گئی ہیں، آج ہمارا دھیان ان عظیم صوفی بزرگوں کے سوانح حیات، ملفوظات، اصلاحی و تبلیغی خدمات کی طرف مطلق نہیں ہے بلکہ آج درگاہوں میں نذر و نیاز کے نام پر لاکھوں کا چڑھاوا آتا ہے، لنگر پر بے دریغ خرچ ہوتا ہے، رسومِ ظاہری کے ادا کرنے کی پابندی ہے۔ ان کے مطابق آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ان بزرگوں کی وہ کتابیں جن کے بین السطور میں ان کی نورانی شخصیت جھلک رہی ہے اور جن لفظوں کے پردے میں ان کی آواز سنی جا سکتی ہے، ان کے محفوظ کرنے، مطالعہ کرنے اور انھیں عام کرنے کا بھی کچھ اہتمام کریں۔ ''نقدِ ملفوظات'' میں شامل

مضامین اسی سلسلے کی کڑی ہیں اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے صوفیا کے حالات و سیرت لکھتے ہوئے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ان بزرگوں کے واقعات اور کشف و کرامات کی بجائے ان کی مبارک زندگی کو تاریخ کی روشنی میں اور عقلِ سلیم کی رہنمائی میں پڑھا جائے تاکہ ان کی سیرت و کردار کے نقوش روشن نظر آئیں۔

ملفوظات کیا ہے؟

ملفوظات دراصل صوفیا کرام کے اقوال و بیان کا مجموعہ ہوتے ہیں۔ صوفیا کرام جماعت خانوں اور خانقاہوں میں اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی تربیت و تلقین کرتے اور ان کے ساتھ باقاعدہ عبادت اور ریاضت کی زندگی گزارتے تھے۔ بزرگانِ دین اپنے اوقات کا کچھ حصہ اسی کام کے لیے مخصوص رکھتے تھے جس میں ان کے حلقہ بگوش مجلس کی شکل میں جمع ہو جاتے تھے اور بہت سے علمی، مذہبی اور تصوف کے مسائل کو اپنے مرشد کے سامنے پیش کر کے ان کے ارشادات سے اپنے علم و دانش میں اضافہ کرتے تھے۔ اس مجلس میں جو باتیں ہوتی تھیں، کوئی مرید اور عقیدت مند ان کو مرتب کر لیتا تھا انہی کو ملفوظات کہتے ہیں۔ "ملفوظات مجموعہ ہوتے ہیں، ان بیانات کا جو اخلاقِ فاضلہ اور اعمالِ صالحہ کی ترغیب و تحریص کے لیے صوفی بزرگ اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کے مجمع میں بیان کرتے تھے، اور کرتے ہیں۔ ان میں سامعین کی استعداد کا، ان کے امراضِ قلبیہ کے دافعیہ کا اور ان کی روحانی ترقی کا پورا پورا لحاظ ہوتا ہے۔ اکابر اولیا اللہ کا ذکر بھی آجاتا ہے جو اثر و تاثیر کو دوبالا کر دیتا ہے۔ ملفوظات کو اشارات وارشادات اور اقوال و فوائد بھی کہتے ہیں اور ان کے مجموعوں کو کتبِ اہلِ سلوک اور کتبِ مشائخ سے تعبیر کرتے ہیں۔"[5] یہ ملفوظات نہ صرف تربیتِ سلوک و طریقت کے حوالے سے اہم ہیں بلکہ ان کے مطالعہ سے تاریخ کے کئی اہم گوشے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ پروفیسر محمد اسلم نے ان ملفوظات کی تاریخی اہمیت کے ضمن میں یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر اسلامی ہند کی تاریخ مرتب کرتے وقت ان ملفوظات سے استفادہ کیا جاتا تو آج ہماری تاریخ اس تاریخ سے جو ہمارے نصاب میں شامل ہے، بالکل مختلف ہوتی۔[6] ملفوظاتی لٹریچر ہندوستان کی تہذیبی و فکری تاریخ کا بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ اس سے نہ صرف صوفیا کرام کی زندگی اور ان کے افکار و نظریات پر روشنی پڑتی ہے بلکہ اس دور کی ذہنی فضا، معاشی حالات، ادبی تحریکات اور سماجی رُجحانات کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ "نقدِ ملفوظات "تصوف پر لکھے ہوئے مضامین کا مجموعہ ہے۔ یہ مضامین متفرق رسائل میں بھی چھپ چکے ہیں۔ اس مجموعہ مضامین میں کل تیرہ مضامین شامل ہیں جو بعض ہندوستانی صوفیا کے سیرۃ و سوانح پر مشتمل ہیں اور دیگر ان صوفیا کے ملفوظات پر تحقیقی نوعیت کے مضامین شامل ہیں۔ انھوں نے صوفیا کے حالات و سیرت لکھتے ہوئے یہ کوشش بھی کی ہے کہ ان بزرگوں کی حیات مبارکہ کے حیرت انگیز و متاثر کن واقعات اور کشف و کرامات کی بجائے ان بزرگوں کے اخلاق و کردار کو اس طرح پیش کیا جائے کہ پڑھنے والوں کے لیے مہمیز کا باعث ہو اور وہ اپنے کردار اور اخلاق کی درستی کر سکیں۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے مجموعہ ملفوظات کا جائزہ خواجگان چشت کے حالات و واقعات کے ماخذ کے طور پر لیا ہے۔ نقدِ ملفوظات میں چشتی بزرگوں خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فریدالدین گنج شکرؒ اور حضرت نظام الدین اولیاؒ کے بارے میں گراں قدر معلومات پر مبنی سوانحی نوعیت کے مضامین شامل ہیں علاوہ ازیں حضرت امیر خسروؒ، بندہ نواز گیسو درازؒ اور حضرت شاہ عبدالہادی امروہویؒ پر بھی سوانحی مضامین شامل ہیں جن کا مطالعہ مفید معلومات ہے۔ "نقدِ ملفوظات" میں ان کی تحقیقات کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

ا۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات کا سب سے قدیم ماخذ "سیر الاولیا" کو تصور کیا جاتا تھا لیکن حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حالات و ملفوظات میں سب سے قدیم اور سب سے زیادہ اہم ماخذ "سرور الصدور و نور البدور" ہے جو آج تک نہیں چھپی اور جس کے قلمی نسخے بھی اب ساری دنیا میں صرف دو تین ہی باقی رہ گئے ہیں۔ "سرور الصدور و نور البدور" شیخ حمید الدین ناگوریؒ خلیفہ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے پوتے شیخ فرید الدین ناگوریؒ کی تصنیف ہے۔ یہ درحقیقت شیخ حمید الدین

ناگوریؒ کے ملفوظات پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے شیخ حمید الدین ناگوریؒ کو عصری شہادت تسلیم کرتے ہوئے "سرور الصدور" کو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات کا سب سے بڑا اور قدیم ماخذ قرار دیا ہے کیوں کہ شیخ حمید الدین ناگوریؒ خواجہ معین الدین چشتیؒ کے خلیفہ تھے۔

۲۔ "فوائد السالکین" کو ملفوظات خواجگان چشت میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ "فوائد السالکین" کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ قدس سرہ کے ملفوظات ہیں جنھیں شیخ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ نے جمع کیا تھا۔ فوائد السالکین کو اہلِ علم کا ایک گروہ وضعی اور جعلی مانتا ہے، جب کہ ایک گروہ کے مطابق یہ مبنی بر حق اور اصلی کتاب ہے۔ مصنف "آبِ کوثر" محمد اکرام نے انیس الارواح، دلیل العارفین، راحت القلوب اور اسرار الاولیا کے ساتھ فوائد السالکین کو بھی وضعی قرار دیا ہے۔[7] ان کے مطابق فوائد السالکین پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا البتہ سید صباح الدین عبد الرحمن نے 'بزم صوفیہ "[8] اور "مجالس صوفیہ "[9] میں جا بجا فوائد السالکین کے حوالے دیئے ہیں یعنی انھوں نے اس مجموعہ ملفوظات کو قابل اعتبار گردانا ہے۔ اسی طرح اخلاق حسین دہلوی بھی "آئینہ ملفوظات "[10] میں سید صباح الدین عبد الرحمن کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے "فوائد السالکین" کے زمانہ پر تفصیل سے بحث کی ہے اور ان کے مطابق مجالس کے زمانے سے ہی اس مجموعہ ملفوظات کے اصلی یا وضعی ہونے کی قلعی کھل جاتی ہے۔ انھوں نے فوائد السالکین سے کئی روایتیں نقل کیں ہیں جو سراسر مبالغہ پر مبنی ہیں اور ان کے مطابق ان روایتوں میں نہ صرف فوق العادت عنصر کی بھرمار ہے بلکہ یہ واقعات چشتی صوفیا اور تعلیمات کے بھی سراسر خلاف ہیں۔ فوائد السالکین کے اس جائزے سے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ مبالغہ آمیز حکایات اور تاریخی اعتبار سے غلط روایات ہی سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا انتساب جعلی ہے، یہ نہ قطب صاحب کے ملفوظات ہیں اور نہ ہی ان کے جامع حضرت بابا فریدؒ ہو سکتے ہیں۔ ڈاکٹر عبد العزیز ساحر اپنے مقالے "نقدِ ملفوظات پر ایک نظر" میں سید صباح الدین عبد الرحمن اور اخلاق حسین دہلوی کی تائید کرتے نظر آتے ہیں۔ فوائد السالکین کو مستند قرار دیتے ہوئے انھوں نے اپنا موقف ان الفاظ میں پیش کیا ہے: "پروفیسر فاروقی اس نکتے سے یقیناً بے خبر نہیں تھے کہ جنوبی ایشیا کے صوفی ادب کا کوئی ایک بھی مجموعہ ملفوظات ایسا نہیں جو الحاق، تحریف اور اغلاط سے محفوظ رہا ہو اور کاتبوں نے اس کی کتابت میں گل نہ کھلائے ہوں اور ہر نوع کی غلطیوں کو رواج نہ دیا ہو۔ عرفِ عام میں ملفوظاتی ادب پر مشتمل مستند اور متحقق مجموعے (مثلاً فوائد الفوائد، خیر المجالس اور سیر الاولیا وغیرہ) بھی جب تاریخی، واقعاتی اور علمی و لسانی اغلاط سے پاک اور مبرا نہیں تو پھر فوائد السالکین اور اس قبیل کے دوسرے ملفوظاتی مجموعوں (انیس الارواح، دلیل العارفین، اسرار الاولیا، راحت القلوب، افضل الفوائد، مفتاح العاشقین) پر یک قلم خطِ تنسیخ کیونکر کھینچ دیا جاتا ہے، حالانکہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس (اور اس جیسی دوسری متذکرہ بالا کتابوں) کے معلوم اور محفوظ نسخوں کی مدد سے ایک انتقادی متن تیار کیا جائے۔ اس طرح اس نوع کے تقابلی مطالعات متن کی وجہ سے کئی مغالطے رفع ہو جائیں گے۔"[11] ضرورت اس امر کی ہے کہ فوائد السالکین اور اس طرح کی دیگر کتبِ ملفوظات کا انتقادی متن تیار کرتے وقت اسلامی اصولِ روایت اور درایت کو ملحوظ رکھا جائے تا کہ زیادہ معتبر اور مستند نتائج حاصل ہوں۔

۳۔ سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے ملفوظات "مجالس حسنہ"، "خلاصۃ الفوائد"، "انوار الصفی"، "کشکول کلیمی" اور "مکتوبات کلیمی"، حضرت نظام الدین اولیاؒ کے سیرت و سوانح کا مستند ماخذ ہیں۔ ان کے مطابق ان کتبِ ملفوظات میں بزرگانِ چشت کے حالات و سوانح کے بارے میں مفید اشارے ملتے ہیں۔ ان میں اوّل الذکر تین کتب ملفوظاتی مجموعے ہیں جب کہ باقی دو کتابیں کشکول کلیمی اور مکتوبات کلیمی ملفوظاتی ادب پر مشتمل نہیں۔ انھوں نے ان کتب کے تعارف کے ساتھ ساتھ نہ صرف صاحبِ ملفوظات کا جامع تعارف دیا ہے بلکہ مؤلف کے بھی مختصر حالاتِ زندگی درج کر دیے ہیں۔ بعض جگہوں پر انھوں نے صاحبِ ملفوظات کا شجرہ طریقت بھی شامل کیا ہے۔

۴۔ ''احسن الاقوال'' اور ''دُرّرِ نظامی'' حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حالات کا اہم ماخذ ہے۔''احسن الاقوال'' آٹھویں صدی ہجری کے ملفوظاتی ادب میں ایک اہم اور مستند مجموعہ ہے۔ اس میں حضرت نظام الدین اولیاؒ، محبوب الٰہی، قدس سرہ کے خلیفہ حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات و ارشادات جمع ہوئے ہیں جنھیں خواجہ حماد کاشانیؒ نے ترتیب دیا ہے جو خواجہ عماد کاشانیؒ کے فرزند ہیں۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اس مجموعہ ملفوظات کا جائزہ حضرت بابا صاحبؒ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے حالات کے ماخذ کے طور پر لیا ہے۔ انھوں نے اس مضمون میں مؤلف ''احسن الاقوال'' خواجہ حماد کاشانیؒ کا مختصر تعارف اور ان کی تصانیف کا تذکرہ بھی پیش کیا ہے۔ ''احسن الاقوال'' چونکہ حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ کے ملفوظات و ارشادات پر مبنی ہے، اس نسبت سے ان کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ ''دررِ نظامی'' مولانا علی بن محمود جاندارؒ کی تصنیف ہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات جن میں صرف ''فوائد الفوائد'' از امیر حسن علا سجزیؒ دہلوی اور ''درر نظامی'' از مولانا علی بن محمود جاندار ہی دستبرد زمانہ سے بچ کر ہم تک پہنچی ہیں، ڈاکٹر فاروقی نے ان دونوں تصانیف کا موازنہ کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ''درر نظامی'' میں بیشتر مواد وہی ہے جو ''فوائد الفوائد'' میں ملتا ہے اور بمشکل دس فیصد مواد ایسا ہے جو ''فوائد الفوائد'' میں نہیں ہے اور اس سے بھی کم وہ جو کسی بھی دوسرے ماخذ میں نہیں ملتا۔ دونوں کتب ملفوظات میں فرق صرف اتنا ہے کہ امیر حسن سنجری نے حضرتؒ کے ملفوظات کو مجلس وار اور تاریخی ترتیب سے قلم بند کیا ہے اور مؤلف ''درر نظامی'' نے اسی مواد کو تیس مختلف ابواب میں تقسیم کر دیا ہے لیکن کتاب میں کہیں بھی ''فوائد الفوائد'' یا ''سیر الاولیا'' کا حوالہ نہیں آیا ہے، نہ ہی ان دونوں کتابوں میں ''درر نظامی'' کا حوالہ ملتا ہے۔ اس سے ڈاکٹر فاروقی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ۷۰۷ھ سے ۷۲۰ھ تک جس زمانے میں ''فوائد الفوائد'' قلم بند ہوئی ہے، یہ وہی زمانہ ہے جب مولانا علی بن محمود جاندار نے سلطان المشائخ کی بارگاہ میں حاضری دی اور آپ سے بیعت کا شرف حاصل کیا اور وہ بھی حضور کے ملفوظات بطور یادداشت قلم بند کرتے رہے بعد کو انھوں نے ان ملفوظات کو بہ ترتیب موضوعات یک جا کر لیا۔ سلسلہ چشتیہ سے متعلق ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی ایک تصنیف ''شیخ صدرالدین محمد یعقوبؒ جہندہ شہید؛ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے چھوٹے صاحبزادے'' ہے۔ اس مختصر رسالے میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت شیخ صدرالدین محمد یعقوبؒ کے بارے میں تحقیق کی ہے۔ جن کے بارے میں عام روایت یہی تھی کہ وہ سفر کے دوران امروہے کے قریب آکر غائب ہو گئے تھے، چنانچہ ان کے مزار کے بارے میں عام واقفیت نہیں ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے اس تحقیقی مقالے کے ذریعے اس بڑے بزرگ کے مزار کی شناخت کرانی چاہی ہے۔ شیخ صدرالدین محمد یعقوب جہندہ شہید کے بارے میں ان کا یہ تحقیقی مقالہ ۲۰۰۱ء میں بابا فرید ایجوکیشنل سوسائٹی امروہہ سے طبع ہوا۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے سب سے چھوٹے صاحبزادے حضرت صدرالدین محمد یعقوبؒ کے بارے میں ''سیر الاولیا'' کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ انھیں قصبہ امروہہ کے راستے میں مردانِ غیب نے اچک لیا اور غائب کر دیا تھا۔ اس کتابچے میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی اصل تحقیق تو شیخ صدرالدین محمد یعقوبؒ کے مزار کے بارے میں ہے لیکن انھوں نے ان کے سوانح بھی مختصر اًفراہم کر دیئے ہیں۔ انھوں نے تحقیق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امروہہ میں واقع ''مزار جھنڈا شہید'' ہی شیخ یعقوبؒ کا مزار ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لفظ 'جھنڈا' کو حجاب قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ لفظ 'جھنڈا' نے اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں کو مغالطے میں ڈالے رکھا اور امروہہ کی جو تاریخیں مورخین نے ترتیب دی ہیں، ان میں کسی بھی مورخ نے 'جھنڈا شہید' کی طرف التفات نہیں کیا۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی نے لفظ 'جھنڈا' کی اس طرح توضیح کی ہے: "اگر لفظ 'جھنڈا' پر ذرا سا غور کیا جاتا تو معانی کا پھریرا الہرانے لگتا۔ فارسی مصدر جہیدن کے معنی ہیں ہلنا، حرکت کرنا، اس سے متعدی مصدر جہانیدن ہے جس کا مطلب ہے ہلانا، حرکت دینا، جہیدن کا اسم فاعل جہندہ ہے۔ اس کے معنی ہوں گے متحرک، چلتا پھرتا، ایک شہید تو وہ ہوتا ہے جو میدانِ

جہاد میں کام آئے، دوسرا شہید وہ ہے جو کسی وبائی بیماری میں مارا جائے، جسے راہ چلتے شہید کر دیا جائے۔ بٹ ماروں، ٹھگوں، رہزنوں کے ہاتھ سے مارا جائے تو اسے اصطلاحاً جہندہ کہتے ہیں۔ پہلے زمانے کے لوگ املا بھی ایسا لکھتے تھے کہ جہندہ لکھا ہو تو جھنڈا پڑھا جا سکتا تھا۔ کثرتِ استعمال سے بھی لفظ جہندہ کا جھنڈا بن جانا کچھ ایسی ناقابلِ فہم بات نہیں۔ عوام نے جہندہ کا جھنڈا بنا دیا۔"[12] حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے اس چھوٹے بیٹے خواجہ محمد یعقوبؒ کے بارے میں ایک تحقیق جناب ظاہر شاہ چشتی فریدی نے بھی پیش کی ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف "گلدستہ فرید" میں بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ کی مختصر سوانح حیات اور ان کے تمام بیٹوں کی اولاد کا شجرہ نسب پیش کیا ہے جس میں انھوں نے حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے چھوٹے بیٹے کا نام حضرت خواجہ محمد یعقوب المعروف بہ شیخ دلاور بابا مردانوی بتایا ہے۔ خواجہ محمد یعقوب کے ذیل میں انھوں نے بھی سب سے پہلے سیر الاولیا میں درج روایت کو شامل کیا ہے جس کی رو سے اس بزرگ زادے کو مردانِ غیب اپنے ساتھ لے گئے اور پھر ان کا پتہ نہ چلا۔

ظاہر شاہ چشتی نے اپنی تحقیق سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خواجہ محمد یعقوبؒ کا مزار مردان میں ہے۔ وہ خواجہ محمد یعقوب کے ذیل میں ابتدا میں ہی یوں رقم طراز ہیں": شیخ دلاور بابا حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے صاحبزادے تھے۔ آپ کا اصل نام شیخ محمد یعقوبؒ تھا۔ آپ عہد دلہ زاک میں پاک پتن ملتان سے بابنی واقعہ علاقہ کلپانی شریف آئے تھے۔ بعد میں خرکی کی تورزئی، یوسف زئی اقوام نے بھی اس معزز گھرانے کو سیریاں عطا کیں۔ شیخ دلاور بابا کے بیٹے میاں عالم شاہ بابا عرف بنڑ بابا کا روضہ مبارک ڈھیری جولگرام ملاکنڈ ایجنسی میں ہے۔[13] انھوں نے خواجہ یعقوبؒ کی سوانح اور سیرت سے متعلق معلومات پیش کیں ہیں جس میں ان کا سال پیدائش، تعلیم وتربیت، سفر اودھ، مردان غیب کی ہمراہی، سفر حج، شادی، اولاد، سیر وسیاحت، بابا فرید الدین کی بذریعہ خواب دین مبین کی اشاعت کی تلقین اور اس مقصد کے لیے ان کا پختونوں کے علاقے میں جانا، اس علاقے میں دوسری شادی اور ان سب معاملات کا دنیاوالوں سے اخفا رکھنا، علالت، وفات اور تدفین شامل ہیں۔ انھوں نے ان تمام معلومات کے لیے فضل احمد عرف فضل بابا کی کتاب گلستان فرید، (جس کا حوالہ صرف ایک بار آیا ہے) خاندانی روایات اور صاحب کشف دوستوں کے کشف پر بھروسہ کیا ہے۔ اس ذیل میں انھوں نے جابجا صاحب کشف حضرات (صاحب کشف القبور اور صاحب کشف دوستوں) کے بیان نقل کیے ہیں۔ ظاہر چشتی کا ایک مقالہ "جہان چشت، کراچی "میں "مردان میں نقارۂ چشت" کے عنوان سے جولائی ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا تھا، جس میں انھوں نے خواجہ محمد یعقوبؒ کے عرس منعقدہ مردان کی روداد پیش کی تھی۔ ظاہر شاہ چشتی نے نثار احمد فاروقی کی تحقیق کو افسانہ اور جھوٹ قرار دیا اور بہت سے بے بنیاد اعتراضات اٹھائے ہیں حالانکہ محمد یعقوبؒ کو مردان میں ثابت کرنے کے لیے ان کی اپنی کہانی بھی ٹھوس بنیادوں پر مبنی نہیں ہے، انھوں نے بھی اپنی تحقیقات صاحب کشف القبور حضرات کے کشف پر ہی رکھی ہے، یہ کشف اگر ان کا ذاتی بھی ہوتا تو ان کی تحقیقات کا درجہ استناد کچھ اور ہوتا۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے کتابچے پر ظاہر شاہ چشتی کے اعتراضات تعصب پر مبنی ہیں انھیں اپنی کہانی کو حقائق سے مزین کرنا چاہیے نہ کہ کرامات و مکاشفات کے ذریعے سچ ثابت کرنے کی کوشش کریں۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی کا تحقیقی مقالہ "شیخ صدر الدین محمد یعقوب جہندہ شہید" بھی اگرچہ قیاس پر مبنی ہے لیکن قیاس کو ثابت کرنے کے لیے انھوں نے منطق اور استدلال کا سہارا لیا ہے اور موجودہ دور کا ذہن مکاشفات کی بجائے منطق اور استدلال کو ہی قابل توجہ اور لائق غور سمجھتا ہے۔

خلاصۂ بحث

سلسلہ چشتیہ کے حوالے سے ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کی تحقیقات موضوعات اور مواد کے اعتبار سے گراں قدر اہمیت کی حامل ہیں۔ انھوں نے چشتی صوفیا کے حوالے سے تحقیق کے نئے ماخذ کی نشاندہی کی اور ہندوستان میں چشتی اکابرین کے حوالے سے مستند سوانحی مواد فراہم کیا اس ضمن میں مبالغہ آرائی سے گریز ان کا خاصا ہے۔ انھوں نے چشتی اکابر صوفیا کی حیات و سوانح کا

مطالعہ ان کی مبالغہ آمیز کرامات سے ہٹ کر عقل سلیم کی رہنمائی میں کرنے پر زور دیا تا کہ اخلاق و کردار کی تربیت ہو سکے۔ چشتی تعلیمات کی توضیح اور ترویج میں منطق اور استدلال کا سہارا بھی ان کا خاص امتیاز ہے۔ ان کے مطابق موجودہ زمانے کی بے امنی، انتشار اور پراگندہ خیالی کا حل صرف اور صرف چشتی تعلیمات کی پیروی میں ہے۔ انھوں نے کئی کتب ملفوظات کے تراجم کیے اور مستند ملفوظاتی ادب بارے معلومات فراہم کیں۔ تصانیف میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کا قلم رواں ہے، سادہ اور عام فہم اسلوب ان کا خاص امتیاز ہے۔ انھوں نے اپنی علمیت کی دھاک بٹھانے کے لیے اپنی تحریر کو بھاری بھر کم الفاظ سے ثقیل بنانے کی کوشش نہیں کی بلکہ عام فہم اور سادہ الفاظ کا سہارا لیا ہے تا کہ ایک اوسط درجے کا قاری بھی ان سے مستفیض ہو سکے اور ان کی تحاریر کا افادہ عام ہو سکے۔ تحریر میں دلچسپی کا عنصر برقرار رکھتے ہوئے ان کا انداز منطقی، بات کو سمجھانے والا اور وضاحتی ہوتا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے موضوع سے متعلق مثالیں، حوالے اور دلیلیں دے دے کر بات کو پر اثر بناتے ہیں اور استناد کے لیے روایات سے بھی مدد لیتے ہیں۔ دلائل کو پر زور بنانے کے لیے بعض اوقات قرآنِ کریم کی آیات بھی بطور حوالہ شامل کر دیتے ہیں۔ تصوف پر ان کے تقریباً تمام مضامین میں قرآنی آیات کے حوالے ملتے ہیں جو ایک طرف تو اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے ہمیشہ قرآن و حدیث کو اوّلیت دی ہے اور اسے اپنا رہبر و رہنما تسلیم کیا ہے، دوسرے یہ کہ انھوں نے قرآنِ کریم اور احادیثِ مبارکہ کا ٹھوس مطالعہ بھی کیا ہے۔ عربی و فارسی محاورات و اشعار کا استعمال بھی ان کی تحریر کو عالمانہ رنگ دیتا ہے۔ بعض الفاظ یا کیفیات کی وضاحت کے لیے انگریزی اصطلاحات کا سہارا بھی لیتے ہیں جو انگریزی زبان پر ان کی مہارت کا بیّن ثبوت ہے۔ اپنی تحریر میں بعض اوقات موضوعِ زیرِ بحث سے ہٹ کر جملہ معترضہ کے طور پر بھی ڈاکٹر نثار احمد فاروقی گراں قدر معلومات سے نواز جاتے ہیں۔

References

[1] Khalīq Aḥma Nizāmī, Tārīkh Mashāiekh Chishat(Karachi: Maktbah ʻĀrfīn), 147.

[2] Prof. Nitār Aḥmad Fārūqī, Daid Daryāft(Dehlī: Azād Kitāb Ghar, 1964AD), Muqadma.

[3] Nithār Aḥmad Fārūqī, Dar Madaḥ, Kalkatah Number(2002AD).

[4] Khājah Ḥasan Nizāmī, Tazkrah Nizām Ud Din Aoliyā(Lahore: Al-Kitāb, 1980AD), Muqadma.

[5] ʻĀllāma Akhlāq Husain, Āina Malfūzāt (Dehlī: Anjman Tarqī Urdu, 1983AD), 28.

[6] Prof. Muhammad Aslam, Malfūzātī Adab Kī Tārīkhī Ahmiyat (Lahore: Idārah Teḥqīqāt Pakistan, 1995),

[7] Shaikh Muhmmad Ikrām, Āb-e-Kauthar (Lahore: Idārah Thaqafat Islāmiyah, 2006AD), 28.

[8] Sayed Ṣibāḥ Al-Raḥmān Abdul Raḥmān, Bazam Ṣufiyah (Islambad: National Book Foundation, 1990AD), 73.

[9] Sayed Ṣibāḥ Al-Raḥmān Abdul Raḥmān, Majālas Ṣufiyah (Karachi: Majalas Nashryāt Islām), 52.

[10] Husain, Āina Malfūzāt, 96.

[11] Abdul Azīz Sāḥar, Naqad Malfūzāt Per aik Nazar(Attak: Qandīl Sulemān, 2017AD), 27.

[12] Dr. Nithār Aḥmad Fārūqī, Shaikh Ṣadar Al-Dīn Muhammad Yāqūb Jihandah Shahīd, (Amar Wahba: Bābā Farīd Educational Society, 2001AD), 67.

[13] Muhammad Zāhar Shāh Chishtī Farīdī, Guldastah Farīdī(Butt Khaila: ʻAkas Printing Press, 2016AD), 351.